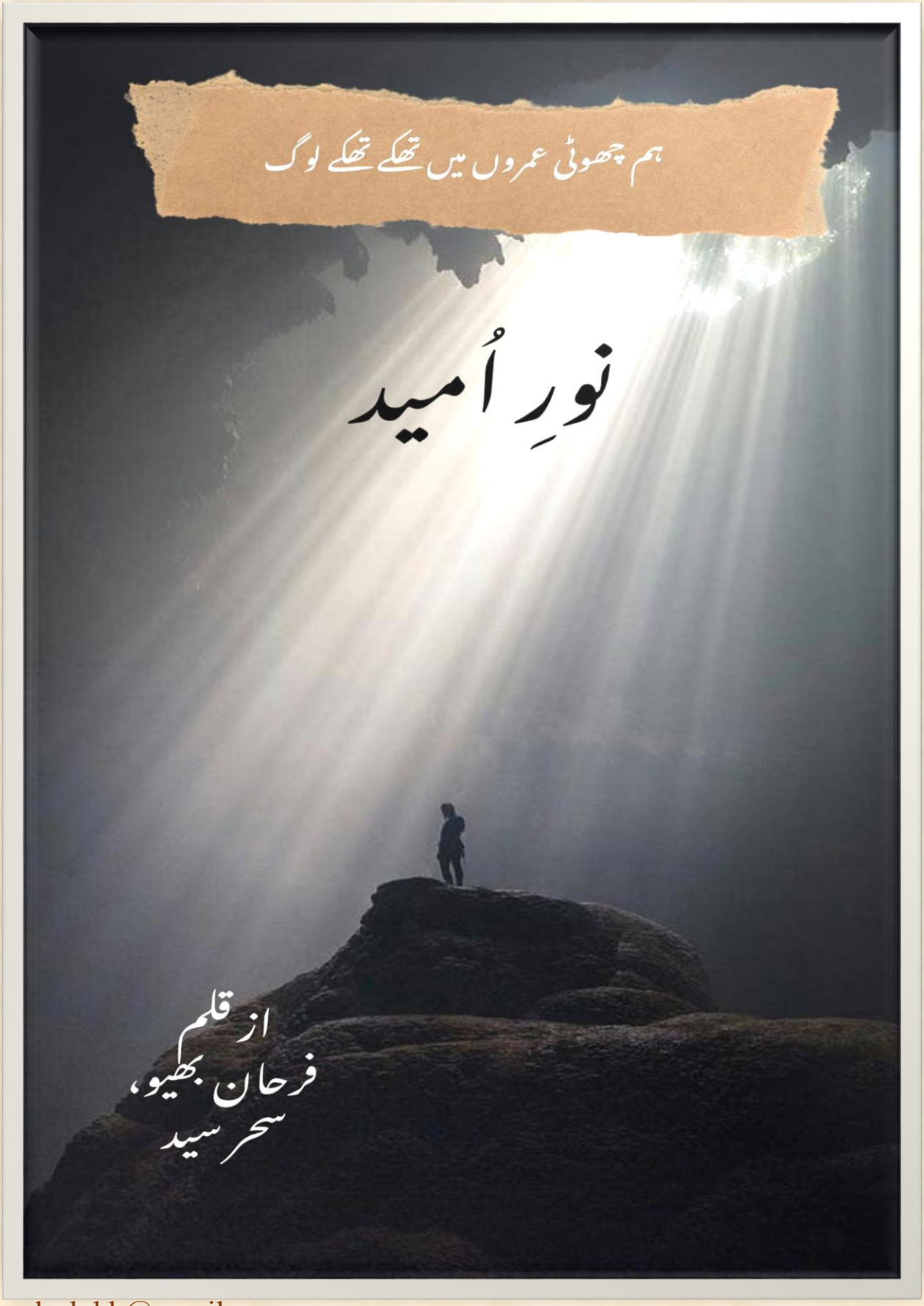
ہم چھوٹی عمروں میں تھکے تھکے لوگ
نورِ اُمید
از قلم
فرحان بھیو،
سحر سید

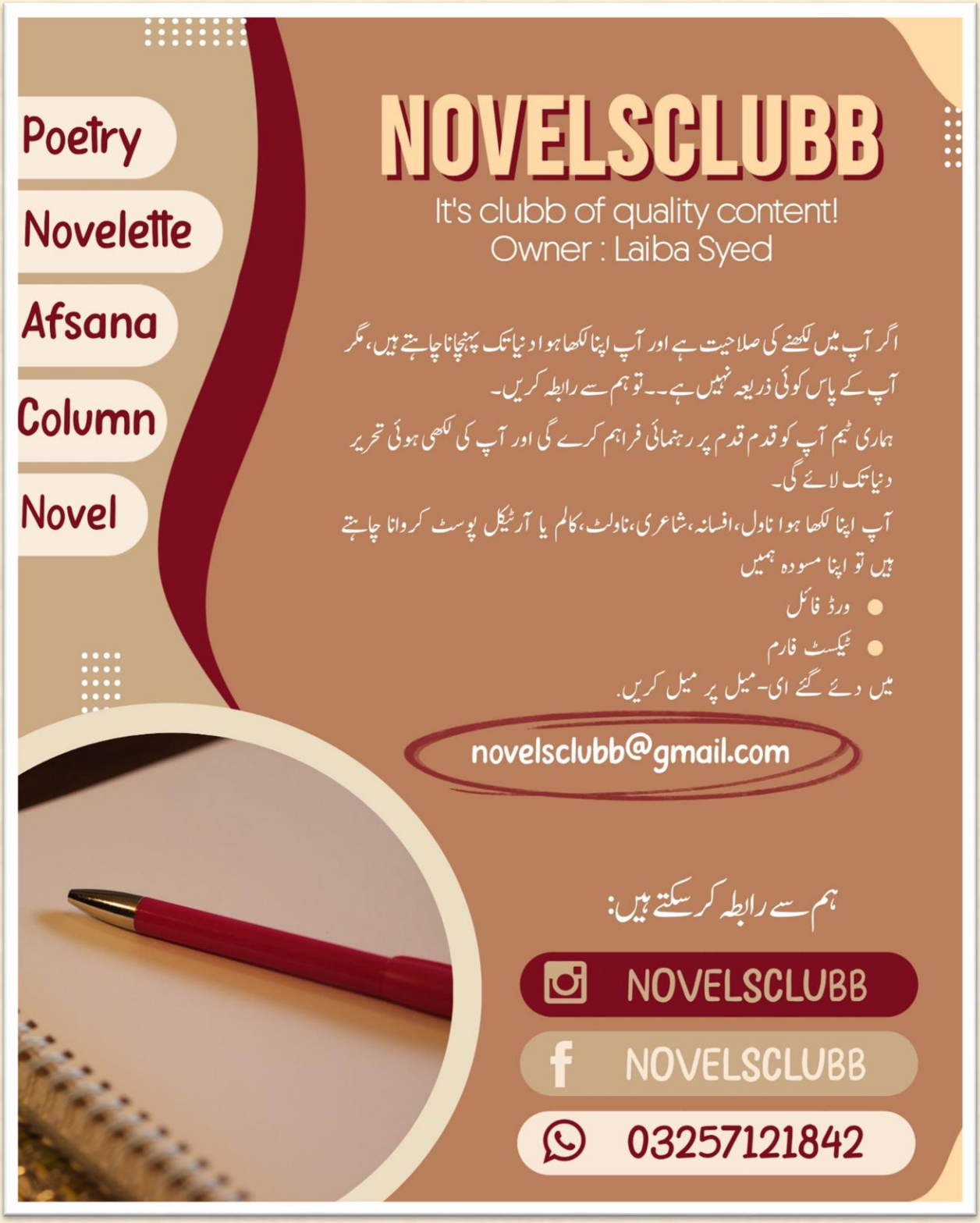
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

نورِ امید

از قلم

سحر سید، فرحان بھیو

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ناول "نورِ امید" کے تمام جملہ حق لکھاری "سحر سید۔فرحان بھیو" کے نام محفوظ ہیں۔کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔"ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے،بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سب سے پہلے ہم اپنے خالق کے شکر گزار ہیں جس نے ہمارے دلوں میں الفاظ کے چراغ جلائے۔ ہمارے خیالات کو معنی بخشی، جس نے ہمارے قلم کو تاثیر بخشی، جو ہمارا سہارا بنا کے ہم لفظوں کو زندگی دے اور ہمیں ہر لمحہ توفیق دی کہ ہم اپنی تحریر کو مکمل کر سکیں۔ سکیں۔ اور وہی جو آنے والے وقتوں میں ہمارے اس ناول کو مکمل کرنے کی ہمت دے گا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"انتساب"

ان تمام لوگوں کے نام جو بچپن کے

ٹرامہ سے ہیل ہونا چاہتے ہیں۔

یہ کہانی ان سب انسانوں کے لیے ہے

جو زندگی کی تنگیوں کے باوجود بھی

ہار نہیں مانتے۔

یہ ناول ایک سفر ہے خود کو قبول

کرنے، شفا پانے، اور خود اعتمادی کی بحالی کا۔

ناول کلب
Clubb of Quality Content

"پیش لفظ"

یہ الفاظ ہیں سَحَر اور فرحان کے۔ یہ ناول ہم دونوں کی ہی پہلی تحریر ہے اور ہم نے یہ کتاب بہت دل سے اور بہت محنت سے لکھی ہے۔ یہ کتاب ہماری نظر میں ایک دوا ہے، ایک راستہ ہے، ایک روشنی کی کرن، رات کے اندھیرے میں کسی جگنو کی مانند ہے، اُن لوگوں کے لیے جو شفا چاہتے، جو شفا لوگوں، دوستوں اپنے بچوں یا والدین کے لیے نہیں بلکہ اپنے لیے چاہتے ہیں، جو اپنے اندر کے بکھرے شخص کو پھر سے جوڑنا چاہتے ہیں، بے شک یہ آسان نہیں لیکن نہ ممکن بھی نہیں، بس ایک قدم، ایک فیصلہ، ایک لمحہ، ایک کوشش، اور پھر کوشش کرنے والوں کی کبھی ہار ہوئی ہے؟۔ نہیں، کوشش کرنے والے تو نہیں ہارتے، ہم اس بات کا دعویٰ نہیں کرتے کے اس کتاب کو پڑھتے ہی آپ کی زندگی آسان ہو جائے گی، آپ صبح اُٹھتے ہی بدل چکے ہونگے، نہیں۔۔۔ یہ کتاب بس اُس راہ چلتے جوگی کی طرح ہے جو آپ تک ایک بات پونچانے آتا ہے اور اِنہی راہوں میں گُم ہو کر کسی اور مشکل زدہ انسان کے پاس نکل پڑتا ہے، لکین۔۔۔۔ آپ جو پیچھے رہ گے، آپ نے اپنے قدم اِس پیغام کے اندر

چھپے راز کو تلاش کر کے اپنی زندگی بدلنے کے لیے "خود" اُٹھانے ہیں۔ "اپنے لیے"۔۔۔

۔۔• ہم نے یہ کتاب ایک فینٹسی اور پرفکٹ اینڈ یں لگ سے کہیں آگے کی لکھی ہے۔ اس سے کہیں آگے جہاں ہم سوچتے ہی نہیں۔ اس کتاب میں بہت سی باتیں سچی ہیں، کردار سچے نہیں ، بہت سے واقعات ایسے ہیں جو دس بارہ سال پرانے ہیں، اور بہت سے واقعات صرف ایک سوچ ہے ان کا حقیقی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ اور پھر جو شفا چاھتا ہے، شفا تو اُسے ہی ملتی ہے۔ اللہ اِس کتاب کو آپ سب کے لیے کسی نہ کسی طرح مددگار ثابت کرے، یہ ایک چھوٹا سا قدم ہے جو ہم نے اپنے لیے اُٹھانا ہے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

باب اول

"کچے دھاگے"

وہ کلاس میں بند نیم اندھیرے میں بیٹھا رو رہا تھا۔اُس کے چہرے پر پسینے کے کترے تھے، اس کے کمرے میں واحد روشنی اس کے چہرے کے سامنے کھڑکی کی جالی سے چھن کر آ رہی تھی، جو اس کی سنہری بھیگی آنکھوں کو چمکا رہی تھی۔اس کی آنکھوں میں بہت کچھ تھا... کیا تھا؟ آنسوں تھے، پریشانی تھی، تھکن تھی، اور؟ اور خود سے ہی ہار جانے کا احساس تھا۔وہ اپنا سَر اپنی کی کلائیوں پر رکھے رو رہا تھا، اُس کی سانسیں بے ترتیب تھیں۔جیسے وہ تھک چکا ہو لڑ کے یا شاید خود کو بچا کے۔آج اس کی بارہویں جماعت کا آخری پرچہ تھا۔اور آج پھر اُس کے کالج کے ہم جماعت اسٹوڈنٹس نے اسے بُلی کرتے ہوئے بہت مارا تھا۔

وہ اپنا سر اٹھا کر کھڑکی کی طرف دیکھنے لگا، جہاں سے روشنی کی ایک کرن اس کی آنکھوں میں لگ رہی تھی۔اس نے آج خود سے ہار مان لی تھی۔وہ اٹھا اور کلاس سے باہر چلا گیا۔وہ دبلے

پتلے جسم اور لمبے قد کا لڑکا تھا۔اُس کی آنکھوں سے آنسو اب بھی گرتے رہے۔اُس کے بال اتنے بڑے اور بے ترتیب تھے کے تقریباً اس کی ساری آنکھوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔باہر روشنی میں آکر اس کی سفید شرٹ پر خون کے بہت بڑے دھبے واضح نظر آنے لگے جو یقیناً اِسے اُس مار کے دوران لگنے والی چوٹوں کے نشان۔۔تھے۔

سورج ڈوبنے کو تھا،اس کی پشت سے سورج ڈھک چکا تھا۔وہ اس وقت ایک پل پر کھڑا تھا۔ سورج کی روشنی پل کے باسٹھ دروازوں پر پڑ رہی تھی جو دریا کے پانی کو کنڑول کرنے میں لگے تھے۔سورج کی روشنی پانی کو سنہری چمک دے رہی تھی، جس پر روزمرہ کی اسی طرح بہت سی گاڑیوں کی چہل پہل تھی۔بہت سی گاڑیوں کے پل پر چلنے سے گھڑ گھڑ کا آواز بن رہی تھی ۔اس نے آسمان کو ناامیدی سے دیکھا، جیسے وہ آخری بار تھا۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، درد تھا،ناامیدی تھی،تکلیف تھی بیزاری تھی،اور خوف تھا۔وہ پل کے نیچے پانی کی طرف دیکھتا رہا بہت سی سوچیں اس کی دماغ میں چل رہی تھی سوچوں کو جھٹکنا اب ناممکن ہو چکا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے خود کو بے جان کر دیا اس کا وجود پل سے لڑھکتا ہوا پانی میں جا گرا۔ پانی کی سطح پر اس کی چھلانگ کی بہت بڑی لہر پیدا ہوئی تھی، پانی میں بہت نیچے بہت دور سنہری آنکھوں والا لڑکا موت کی تکلیف سے روبرو ہوا تھا ایک پل، صرف ایک پل کے لیے

اس نے اپنے کیے گئے فیصلے پر پچھتایا اور پھر اگلے ہی لمحے اس کے دماغ کے پردوں پر اندھیرا چھا گیا۔ایک سکوت سا چھا گیا، نہ کوئی سوچ نہ خیال رہا، بس ایک گہرا سناٹا اور سکون چھاتا گیا۔ اوپر پانی کی سطح پر لہریں تھم گئی۔لوگوں کی چیخنے لگے تھے، کوئی اِس واقعہ پر دکھی ہو رہا تھا تو کوئی اِسی کو ملامت کر رہا تھا کوئی اِس کی ماں کی فکر میں مبتلا ہوتا تھا۔ایمبولنس کی آواز نے مزید خوف پھیلا دیا تھا۔

ہسپتال کے اس کمرے میں سفید رنگ کے پردے آدھی کھڑکیوں کو ڈھانپے ہوئے تھے۔ فرش پر سفید رنگ کی ٹائلز لگی ہوئی تھی۔کمرے کے بیچ و بیچ بستر پر سنہری آنکھوں والا لڑکا نیم دراز لیٹا ہوا تھا۔اُس کے لمبے بالوں نے اُس کی آنکھوں پر ایک جل سا بُن رکھا تھا۔اُس کی دائیں طرف کھڑکی کے پاس ویل چیئر پر بیٹھی پینتالیس سالہ عورت کھڑکی کی طرف چہرہ گھمائے بیٹھی ہوئی تھی۔پورے کمرے میں مشینوں کی آوازیں گونج رہیں تھیں۔کمرے میں ایک گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا اور پھر۔۔۔۔۔۔اس کمرے کا دروازہ دھڑام کی آواز سے کھولا تھا۔دروازے سے آنے والا شخص بستر پر لیٹے نیم دراز لڑکے کے پاس چلا آیا سنہری آنکھوں والا اب بھی ویسے ہی نیم دراز تھا" وہ ارسلان صاحب تھے"۔ان کے چہرے پر غصے کے تاثرات بخوبی نظر آرہے تھے۔

اور پھر وہ بستر پر نیم دراز لیٹے لڑکے کے منہ پر دہاڑتے ہوے بولے "تم اور تمہاری ماں کبھی نہیں سدھرنے والے۔ تم اور تمہاری ماں سے میری خوشیاں برداشت کیوں نہیں ہوتی تم لوگ میرے اوپر عذاب ہو میں تنگ آچکا ہوں تم لوگوں کی روز روز کے ان جھنجھٹوں سے اب مجھے خدا کے لیے معاف کر دو اور میری زندگی مجھے جینے دو۔ سب کچھ تو دیا ہے میں نے تم لوگوں کو۔"

وہاں موجود ان ماں بیٹے کے لیے یہ نئی بات نہ تھی۔ ارسلان داؤد کا یہ رویہ اب ان کے ساتھ ایک معمول بن چکا تھا۔ پچھلے تین سالوں سے وہ یہی تو دیکھتے آرہے تھے۔ ویل چیئر پر بیٹھی عورت نے اپنی ویل چیئر کا رُخ ان باپ بیٹے کی طرف موڑا اُن کی آنکھوں میں ویرانی تھی۔

بستر پر لیٹے زین داؤد نے ان کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا وہ یقیناً جاگ رہا تھا۔ کھانس رہا تھا۔ اس کو اب اس سب کی عادت لگ چکی تھی۔

ارسلان داؤد نے بے نیاز زین داؤد کو دیکھ کر اپنے غصے پر ضبط پاتے ہوئے کہا "اب بہت ہو چکا"۔ "اُنہوں نے ایک گہرا سانس لیے کر خود کو پر سکون کرنا چاہا""۔ "آج یہاں سے ڈسچارج ہونے کے بعد تم اور تمہاری ماں میرے گھر نہیں آو گے۔ تنگ آچکے ہیں ہم تم لوگوں کی

روز روز کی اِن حرکتوں سے۔پہلے تمہاری ماں نے اپنی معذوری کا ڈرامہ رچایا اور اب تم۔۔۔۔۔۔، تم اور تمہاری ماں کا کوئی علاج نہیں بس اب بہت ہو چکا۔۔۔۔۔"

زین داؤد نے اپنے بال اپنی آنکھوں سے ہٹا کر ماتھے پر کر دیے، اس کی آنکھیں لال ہو رہی تھی اور چہرہ دمک رہا تھا اور وہ کھانستے ہوئے بولا "کیا آپ کو لگتا ہے یہ سب صرف ہماری غلطی ہے یہ آپ کی وجہ سے ہو رہا ہے اگر آپ۔۔۔۔۔۔۔"

اتنا بولتے ہی وہ بری طرح سے کھانسنے لگا اور اس کی آنکھوں سے بہت سے آنسوں بہہ نکلے اب اور نہیں اور وہ نہیں بول سکتا تھا ان کے آگے۔

ارسلان داؤد ابھی تک اسے غسیلی آنکھوں سے گھور رہے تھے۔اور پھر زین بولا تو بس اتنا "ٹھیک ہے آج کے بعد ہم پھر کبھی آپ کے گھر نہیں آئیں گے۔ مگر۔۔۔۔آپ یہ نہیں بھولنا آپ نے ہماری ماں اور ہمارے ساتھ کتنا ظلم کیا ہے۔آپ لوگوں نے ہمارا حق کھایا ہے، آپ کو کبھی معاف نہیں کریں گے ہم"۔

اس سے زیادہ وہ نہیں بول سکتا تھا وہ آج سمندر کنارے بنے ہوئے اس ریت کے محل کی طرح تھا جسے بس ایک اور ہوا کا جھونکا لگتا اور وہ ڈھ جاتا۔

سلمہ بیگم کی ایک سسکی تھی جو ان کے بھینچے لبوں میں دب کے رہ گئی تھی۔ان کے بہتے ہوئے آنسوں میں اب زیادہ روانی آگئی تھی انہیں پتہ تھا یہ جو شخص آج ان کے سامنے کھڑا ہے یہ ان کا ارسلان داؤد نہیں تھا۔ان کا ارسلان داؤد تو تین برس قبل کہیں کھو گیا تھا اب جس کو تلاش کرنے کی امید بھی انہوں نے چھوڑ دی تھی۔

سلمہ بیگم ارسلان صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولیں "یہ تو بچہ ہے آپ اس کی باتوں پر توجہ نہ دیں۔اپ تو اپنے بڑے ہونے کا مظاہرہ کریں۔میں کہاں جاؤں گی اپنے دو چھوٹے بچوں کو لے کر"

"یہ تمہیں اب بچے لگتے ہیں یہ کوئی بچے نہیں ہیں۔اس لڑکے کے بہت پر نکل آئے ہیں اتنے کہ اب میں انہیں سنبھال نہیں سکتا۔"اب کی انہوں نے گھیری سانس لیتے ہوئے کہا"اگر آج رات تم لوگ میرے گھر واپس آئے تو تبھی کہ تبھی سلمہ بیگم میں تمہیں طلاق دے دوں گا"

سلمہ بیگم نے روتے ہوئے بے اختیار اپنے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ابھی ذہن کچھ بولنے والا تھا کہ اسلان صاحب تیزی سے باہر کی جانب بڑے اور کمرے کا دروازہ اسی دھڑام کی آواز سے بند

کرتے ہوئے چلے گئے۔ایک بار پھر سے کمرے میں وہیں سکوت چھا گیا اب کے جب ارسلان صاحب وہاں سے گئے تو اس ماں اور اس کے بچوں کے سر سے ان کی چھت بھی چھین کر چلے گئے تھے۔

ایک بار پھر سے آرام سے دروازہ کھلا اور اس بار دروازے سے داخل ہونے والی سولا سالہ دیا داؤد تھی۔ جس کی سنہری آنکھیں زین داؤد کی آنکھوں سے مشابیت رکھتی تھیں۔ دیا داؤد دروازے سے بڑھ کر اپنی ماں کی ویل چیئر کے سامنے بیٹھ کر ان کے دائیں گھٹنے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی ان کو دیکھ کر زین بھی آگے بڑھ کر سلمہ بیگم کی بائیں گھٹنے پر سر رکھے نیم دراز ہو گیا۔ جبکہ آنسوں اسی روانگی سے بہے جا رہے تھے۔ان دونوں کے سروں پر سلمہ داؤد ہاتھ پھرتے ہوئے خود بھی بے آواز رونے لگی۔

اب کی منظر یہ تھا کہ ویل چیئر پر بیٹھی اس سنہری آنکھوں والی خاتون کے دونوں جانب اس کے سنہری آنکھوں والے بچے بیٹھے تھے جو بے اختیار ایک ساتھ روئے جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کہتے ہیں، اپنوں کے ہاتھوں اپنے ہی انگن سے بے گھر ہونا وہ زخم ہے جو نہ کبھی مندمل ہوتا ہے، نہ کبھی مٹتا پاتا ہے۔

سکھر، سندھ (جو سندھ کے مشہور شہروں میں سے ایک ہے) کے بس اسٹاپ پر وہ تینوں بس کے منتظر کھڑے تھے۔ان تینوں کی سنہری آنکھوں میں کچھ بے چین کر دینے والا تھا۔ایک اداسی تھی۔دیا نے سفری بیگ کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تھا جسے کوئی ابھی آکر اس سے وہ بیگ چھین کے لے جائے گا۔بس سٹاپ پر کھڑے کیلنڈرز چیخ چیخ کر مسافروں کو اپنی گاڑی میں بٹھانا چاہ رہے تھے۔اور یہ سندھ میں ہونے والی زین کی ناپسندیدہ باتوں میں سے ایک تھی۔بہت سے لوگ "کوئٹہ، کوئٹہ، کوئٹہ۔۔۔" کے نعرے لگاتے ہوئے لوگوں کا دھیان اپنی طرف متوجہ کرنے کی مصروف نظر آتے تھے۔

بس اسٹاپ کہ ارد گرد بہت سی چھوٹی چھوٹی دکانوں کے سٹالز تھے، جن پر نظریں جمائے زین داؤد کسی گہری سوچ میں گم تھا۔کلینڈر کے اسے بلانے پر اس نے ہڑبڑا کر سر جھٹکا اور کلینڈر کی جانب متوجہ ہو گیا جو ان کو بس کے چلنے کا ٹائم بتاتے ہوئے ان کو بیٹھنے کے لیے بول رہا تھا۔

••••••

کوئٹہ کینٹ کی ایک کشادہ اور روشن گلی میں، جہاں ہر زاویہ اپنی ہی ایک الگ کہانی سناتا ہے، وہاں ایک چھوٹے مگر ایک پر تعیش دو منزلہ گھر کے سامنے وہ تینوں کھڑے تھے۔

تقریباً رات کے ایک بجے وہ تینوں سکندر ہاؤس کی گیٹ پر کھڑے تھے۔ زین داؤد نے ہاتھ بڑھا کر اس گیٹ کی گھنٹی بجائی۔ ان کو یہاں آخری بار آئے تقریباً پانچ چھ برس ہو چکے تھے۔ اور پچھلی بار جب وہ یہاں آئے تھے تو یہ گھر ایک منزلہ ہوا کرتا تھا۔ دو تین مرتبہ گھنٹی بجانے کے بعد کامران سکندر کی نیند میں ڈوبی ہوئی آواز گیٹ کے اس پار سے آئی "کون ہے رات کے اس پہر۔۔۔۔۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ان تینوں میں سے کسی کو بھی اب اتنی ہمت نہیں تھی کے وہ کامران سکندر کے سوال کا جواب دے پاتے کچھ ہی پل گزرے اور دروازہ کھلا۔ دروازے پر اس وقت اس حال میں کھڑی اپنی بہن سلمہ بیگم کو دیکھ کر کامران سکندر ہکا بکا رہ گئے۔ اپنے تاثرات پر قابو پا کر انہوں نے حقلا کر کہا "آ۔۔۔۔۔آ۔۔آپا۔۔آپا آپ یہاں اس وقت ایسے"۔

کامران سکندر کے سوال پر ان تینوں کی جھکی ہوئی گردنیں اور جھک گئی کہ اب ان کی تھوڑی ان کے سینے سے جا لگی۔ان میں سے کسی نے کچھ نہیں بولا بس سلمہ بیگم کے ضبط کیے ہوئے آنسوں ایسے بہہ نکلے جیسے ٹھاٹھے مارتے ہوئے دریا کا بند بڑے عرصے بعد ٹوٹتا ہے۔ان کو اس حال میں دیکھ کر کامران سکندر نے ان سے کوئی اور سوال نہ کیا اور ان کو خاموشی سے اندر لے آئے۔

سلمہ بیگم کے صرف ایک ہی بھائی کامران سکندر تھے۔اور ان کی ایک اور بہن سمیرا سکندر تھیں۔جو اپنے شوہر کی نوکری کی وجہ سے ترکی میں رہا کرتی تھیں۔ارسلان داؤد کو انہیں گھر سے نکالنے کے بعد انہیں جو پہلا اور آخری خیال آیا وہ صرف کامران ماموں کا تھا۔کامران سکندر ان بھائیوں میں سے تھے جن کو لگتا تھا کہ شادی ہونے کے بعد بھائیوں کا فرض صرف بہنوں سے عید پر فون کال پر عید مبارک دینا ہوتا ہے۔

انہیں اندر لا کر صوفے پر بٹھایا گیا۔باہر چہل پہل کی آوازیں سن کر برآمدے کے دائیں طرف والے کمرے سے صفیہ بیگم نیند سے شرابور آنکھیں لیے باہر چلی آئیں۔سلمہ بیگم کو اپنے دونوں بچوں کے ساتھ دیکھ کر ان کے مانو چودا طبق روشن ہو گئے۔صفیہ کامران نے

بڑی مشکل سے خود پر قابو پاتے ہوئے جھرجری لی اور بولی "ارے باجی آپ اس وقت۔ کیسی ہیں آپ "سلمہ بیگم کو اپنی طرف ویران آنکھوں سے دیکھتے پا کر صفیہ نے ملازمہ رضیہ کو چیخ کر پکارا۔ کچھ ہی لمحوں میں رضیہ سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی آئی۔ ملازمہ کے نیچے آنے پر صفیہ نے اسے پانی لانے کو کہا.

لاؤنج میں رکھے گول سوفوں پر بیٹھے کامران سکندر، سلمہ بیگم کی اس ساری داستان کے جواب میں افسردگی سے بولے "میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ارسلان بھائی ایسا کر سکتے ہیں، آپ لوگوں کا اتنا ہنستا کھلتا گھر صرف ان کی چند بے وقوفیوں کی وجہ سے برباد ہونے کو آگیا ہے۔ میں اب خود ان سے بات کروں گا۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اتنے میں صفیہ بیگم آنکھوں میں مصنوعی آنسوں لیے سلمان بیگم کو گلے لگا کر تسلیاں دینے لگی۔ کامران صاحب نے رضیہ کو بولا کر گیسٹ روم کو کھولنے کا حکم دیا۔ سلمہ بیگم کو تسلی دے کر انہیں کمرے میں چھوڑ آئے۔

وہ کمرہ چھوٹا اور دھول مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ جس کے بائیں طرف ایک بہت بڑا بستر رکھا ہوا تھا۔ اور اسی طرح الماری اور ایک آئینہ لگا تھا۔ اور دائیں طرف ایک شیشے کی کھڑکی تھی جس

پر مٹی کی اتنی بڑی تہ چڑھ چکی تھی کہ اس کھڑکی میں لگا ہوا شیشے کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

کمرے میں جلدی سے ہاتھ چلاتی ہوئی رضیہ اس کمرے کا بستر ٹھیک کرتے ہوئے بولی "بی بی جی آپ آج رات یہیں گزار لیں کل صبح میں اس کمرے کی صفائی کر دوں گی۔۔۔۔" وہ اور کچھ بھی کہہ رہی تھی مگر اتنا تیز تیز بولتی جا رہی تھی کہ اس وقت ان تینوں کی سمجھ سے باہر تھا۔

جب فجر کی پہلی کرن اٹھی تو رات کا اندھیرا چھٹا۔ اور پھر ربِ کائنات کی عنایت نے ٹوٹے، بکھرے اور بے سہارا لوگوں کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ اور پورے کوئٹہ میں فجر کی آذانوں کی آواز گونجنے لگی۔

زین داؤد دین مذہب سے چاہے کتنا بھی دور تھا مگر وہ فجر کی آذان کی پہلی صدا پر خود ہی اٹھ جایا کرتا تھا۔ آج بھی صرف دو گھنٹوں کی نیند کے بعد اسے آذان کی آواز نے بیدار کیا۔ وہ اس وقت کاؤچ پر لیٹا ہوا تھا اور اٹھ کر وضو کرنے چلا گیا۔ کمرے میں واپس آ کر اس نے دیکھا تو سلمہ بیگم بھی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔

Clubb of Quality Content

کوئٹہ کے یہ راستے اس کے لیے نئے نہیں تھے وہ چھ سال قبل یہاں آیا کرتے تھے۔اس نے وضو کیا اور مسجد کی طرف چل دیا۔چھ سال بعد کوئٹہ کے اس علاقے کی ہر عمارت اور گلی کی شکل بدل چکی تھی مگر اسے وہاں پہلے جیسی مسجد ہی لگی جو آج چھ سال بعد بھی ویسی ہی تھی۔

فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے اس کے ذہن میں بہت سے سوال ابھر رہے تھے۔اب وہ کیوں آیا تھا یہاں؟۔

اس نے تو اس رات خدا کو بھلا کر خود خوشی کرنے کی کوشش کی تھی۔کیا وہ اتنا ہی خود غرض تھا کہ بس اپنے کام پڑنے پر اپنے رب کو یاد کرے؟۔

کیا وہ واقعی اپنی ماں اور بہن کو اس دن کے لیے اکیلا چھوڑ کر مرنے والا تھا؟. وہ کس کے سہارے پر اپنی ماں کو چھوڑنے والا تھا۔

کیا اس باپ کے آسرے جوان کو ان پر مسلط کیا گیا عذاب سمجھتے ہیں؟. رکوع میں جاتے ہوئے زین داؤد نے ان ساری سوچوں کو اپنی ذہن سے جھٹکنے کی ایک ناکام کوشش کی مگر یہ سوچیں اب کہاں جانی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سلمہ بیگم کو کوئٹہ ائے تقریباً دو ہفتے ہو چکے تھے۔اور ابھی تک ان کو ارسلان صاحب کی ایک بار کال موصول ہوئی تھی۔وہ کہاں ہیں یہ جان کر ارسلان صاحب نے ان سے ان دو ہفتوں میں دوسری بار رابطہ نہیں کیا تھا۔اور ان کے سسرال سے کسی نے ان سے حال احوال نہیں پوچھا تھا۔کہ وہ ایک معذور عورت اپنے دو بچے لے کر آخر کہاں گئی۔کیا کوئی شوہر اتنا بے حس ہو سکتا تھا؟۔

سلمہ بیگم کی ساس کے پہلے چار بچے، جن میں سے دو بیٹے ارسلان داؤد اور سلیمان داؤد اور دو بیٹیاں راشدہ اور راحیلہ تھیں۔ایک اور بیٹا سمی تھا جس کی پیدائش کے وقت وہ خود بھی چل بسی۔

اس وقت کوئٹہ کے اس دو منزلہ گھر کے برامدے میں رکھی ڈائننگ ٹیبل کے گرد بیٹھے وہ سب رات کا کھانا کھانے اکٹھا ہوئے تھے۔صفیہ بیگم کے کامران سکندر کو آنکھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنے پر کامران سکندر کھنکھار کر سب کو اپنی طرف متوجہ کرنے لگے۔سلمہ بیگم کو اپنی طرف متوجہ پا کر انہوں نے کہنا شروع کیا"آپا آپ کے کہنے پر ہم نے اتنے دن

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ارسلان بھائی سے کوئی بات نہیں کی آپ نے کہا تھا وہ خود رابطہ کر لیں گے۔مجھے لگتا ہے کہ اب مجھے ان سے خود بات کرنی پڑے گی"

ان تینوں کو خاموش پا کر کامران سکندر نے پھر سے بولنا شروع کیا"اب اگر آپ نہیں جانا چاہتی تو کوئی بات نہیں۔میں نے کل اوپر والی منزل پر رہنے والے کرائے داروں کو گھر خالی کرنے کا کہا ہے۔دو تین دنوں میں وہ گھر خالی کر دیں گے پھر آپ لوگ آرام سے اوپر والی منزل پر رہ سکتے ہیں۔کرائے وغیرہ کی آپ فکر بالکل نہیں کیجئے گا،اس کے لیے میں اسلان صاحب سے خود بات کر لوں گا"

کامران سکندر کی اس بات پر زین کو اپنی حلق میں اٹکے نوالے کو نگلنے کے لیے پانی پینے کی ضرورت پڑی۔اب کے سلمہ بیگم اپنی اسی ازلی نرم آواز میں بولیں"جی بھائی صاحب آپ اوپر والا پورشن خالی کروا دیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں کرائے کا بندوبست کر لوں گی"

ان کی یہ بات سن کر جہاں زین اور دیا نے انہیں حیرانی سے دیکھا وہاں صفیہ بیگم کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد جب ذین کمرے میں داخل ہوا تو دیا بھی وہی پوچھ رہی تھی جو وہ بھی پوچھنا چاہتا تھا۔ آخر پیسوں کا بندوبست وہ کہاں سے کریں گئی۔

"ہاں امی ہم ماموں کو کرایا کہاں سے دیں گے۔ ہمارے پاس تو یہاں آنے تک کے بھی پیسے مشکل سے تھے" دیا پریشانی سے اپنی ماں سے پوچھ رہی تھی۔

تبھی پیچھے سے آتا ہوا زین بولا "نہیں امی ہم ماموں کو کرایا کیوں دیں۔ یہ گھر اتنا ہی آپ کا ہے جتنا کے ماموں کا."

سلمہ بیگم ہاتھ میں پکڑی گہرے سبز رنگ کی تسبیح سے دانے گراتیں ایک لمحیں کو روکیں اور تھکی ہوئی آواز میں بولیں "میں کل بات کر کے دیکھوں گی."

"بات کر کے دیکھوں گی کیا ہوتا ہے امی۔ انہیں آپ کو آپکا حق دینا ہو گا۔ ورنہ ہم ان پر کیس کر سکتے ہیں۔"

دیا، زین کی یہ بات سن کر گہری آہ بھر کر بولی "لو امی ہو گئے ہمارے وکیل صاحب شروع....."

"مگر امی یہ تو ہمارے اسلام میں بھی ہے۔تو ماموآپ کو حصہ کیوں نہیں دیں گے."اب کے زین پریشانی سے بولا۔

"ہاں۔۔۔۔۔۔میری تو ہمیشہ سے یہی خواہش ہے کہ زین لا کر لے،اور اللہ تعالی ہمارے ذہن کو کامیابیاں عطا فرمائے۔میں اپنی زندگی میں زین اور تمہیں کامیاب دیکھنا چاہتی ہوں۔"مسکراتی آنکھوں سے سلمہ بیگم زین کو دیکھ کر بول رہیں تھیں۔

یہ بات سن کر زین کو لا ٹیسٹ کی تیاری کے بارے میں امی سے بات کرنے کا خیال آیا مگر ان حالاتوں میں وہ یہ سب افورڈ کہاں سے کریں گئیں سوچ کر اس نے اپنے ذہن سے یہ خیال جھٹک دیا۔

"اور۔۔۔۔رہی بات اپنوں کی،کی گئی حق تلفی کی تو کیا کبھی کسی بہن نے بھائیوں پر کیس کیے ہے۔"

سلمہ بیگم کی یہ بات سن کر زین کاؤچ پر لیٹتے ہوے بولا"آپ کا یہی مسلا ہے امی۔آپ نے خود کو بہت کمزور سمجھ رکھا ہے۔آپ اپنے لیے کبھی اسٹینڈ نہیں لیا۔اپ نے تو کبھی خود کے لیے جیا ہی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

Clubb of Quality Content

اور پھر یونہی باتیں کرتے کرتے دیا اور سلمہ بیگم سو گئی۔

مگر بہت سی کروٹیں بدلنے کے بعد بھی زین داؤد کی آنکھوں میں نیند کا کوئی نام و نشان نہ تھا۔ زین کی نظریں اس کے سینے پر پڑی موبائل فون کی جلتی ہوئی ٹورچ پر جمی ہوئی تھیں۔ جس کو بند کرنے کے بجائے اس کی ٹورچ پر انگلی رکھ کے اپنی اشد انگلی کے گلابی ہوتے ناخن کو دیکھتا رہا اور اس کے دماغ کے پردوں پے منظر تحلیل ہو گیا۔

-

ایک گھر ہے جو اپنا سہ نہیں لگتا،

ایک دل ہے توڑ گیا کوئی،

ایک نیند ہے جو آتی نہیں،

اور ایک دماغ ہے جو سکون پاتا نہیں،

ایک خیال ہے جو ہر پل ستاتا ہے،

کہ کیوں سب ہونے پر بھی سکون ادھورا رہ جاتا ہے،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اب یہی منزل ہے کہ ایک دن یہ سب چھوڑ کر چلا جاؤں گا کہیں۔۔۔

۔

نیند کی چادر اوڑھ کر ماضی کی یادیں لیے وہ سو گیا. یہ ان اچھے دنوں کی بات ہے۔

دیا کی چیخ و پکار اپورے گھر میں گونج رہی تھی اسے شاید کیک بیک کرنا تھا۔زین اور سلمہ بیگم لاونج میں ٹی وی دیکھ رہے تھے۔امی ٹی وی دیکھتے ہوئے دیا کو لگاتار نظر انداز کر رہی تھیں ۔باہر سے آئے ابو نے جب یہ دیکھا تو آج انہوں نے دیا کے لیے خود کیک بیک کرنے کا ارادہ کر لیا۔

اس وقت وہ سکھر شہر کے ایک چھوٹے سے فلیٹ میں رہا کرتے تھے جس کا باورچی خانہ لون سے ملا ہوا تھا۔بورچی خانے کی آدھی دیوار لاونج میں کھلتی تھی اور اس آدھی دیوار کے سامنے گول میز کے گرد چار کرسیاں رکھیں تھیں جن پر زین اور سلمہ بیگم بیٹھے ارسلان صاحب کو کیک بیک کرتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔بقول ابو وہ اپنی ٹین ایج کے ٹائم پہ ایک بیکری میں کام کیا کرتے تھے اور آج بھی وہ ایک اچھے بیکر تھے۔

ان کی مہارت سے چلتے ہاتھوں کو دیکھ کر آج انہیں اس بات پر یقین آ ہی گیا تھا۔ میز کے گرد کرسی پر بیٹھی سلمہ بیگم کے چہرے پر جو مسکان تھی وہ پچھلے تین سالوں سے کسی نے پھر کبھی نہیں دیکھی تھی۔ اب مسکراتی ہیں اپنے بچوں کا دل رکھنے کے لیے۔ تھوڑی دیر پہلے رونے دھونے والی دیا اب مزے سے ارسلان داؤد کو کیک بناتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ مکسچر بناتے ہوئے ارسلان داؤد چینی ڈھونڈنے لگے اور ایک سفید رنگ کی ڈبی ملنے پر اسے اٹھالیا۔ اور سلمہ بیگم کو پتہ تھا کہ اس وقت وہ چینی نہیں نمک ڈال رہے ہیں۔ وہ بڑی مشکل سے ہنسی چھپاتے ان کے پیچھے جا پہنچی اور گلا کھنکار کر بولی "مائی ڈیئر ہسبینڈ، ہو سکتا ہے آپ بیکنگ میں اچھے ہوں، مگر آپ کچن ورک میں مجھے مات نہیں دے سکتے" مسکراتی سرخ ہوتے ہوئے گالوں کے ساتھ وہ پھر سے بولی۔۔۔۔۔"

"تو اس لیے اپ کو نہیں پتہ کہ چینی کس کونے میں پڑی ہوتی ہے اور نمک کس کونے میں پڑا ہوتا ہے۔"

اپنے پیچھے سے آتی ہوئی سلمہ بیگم کی آواز پر ارسلان داؤد چونک کر پلٹے اور اپنے ہاتھ میں پکڑی سفید برنی کو دیکھ کر گہری آہ بھری۔ اور مسکراتے ہوئے سلمہ بیگم کے ہاتھ اپنے ہاتھوں

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

میں لے لیے اور سلمہ بیگم کی سنہری آنکھوں میں دیکھ کر بڑے ہی پیار سے بولے "کیا اب کوئی آپ جیسا ہو سکتا ہے کیا۔۔۔۔۔"

"آپ کے سوا میں ہمیشہ ادھورا ہوں، آپ میرے لیے وہ آنکھیں ہیں جن سے میں چینی اور نمک کے بیچ کا فرق دیکھ سکتا ہوں۔"

یہ بات سن کر سلمہ بیگم کے دھمکتے ہوئے گال اور بی گلابی ہو گئے اور وہ اس وقت واقع حسین لگ رہیں تھیں۔اس وقت ان کے چہرے پر وہ نور اور رونق تھی جس کے باعث وہ پورے خاندان میں جانی جاتی تھی۔اور شاید ان کے چہرے کے نور کا سبب ارسلان داؤد کا ساتھ تھا۔۔۔

اور پھر سلمہ ارسلان داؤد نے اپنا سر ارسلا داؤد کے سینے پر رکھتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں اور سرگوشی میں کہا "آپ کی موجودگی میری زندگی میں نور بھر دیتی ہے."

"آپ مجھے اللہ کی طرف سے دیے گئے بہترین تحفوں میں سے ایک ہیں."

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

باورچی خانے کی آدھی لاونج میں کھلنے والی دیوار سے زین داؤد کی آنکھوں سے چلتے دماغ کے پردوں پر وہ منظر نقش ہو گیا اور شاید وہ اس منظر کو کبھی بھلانا نہیں چاہتا تھا۔اور اب تو شاید وہ اپنی پوری زندگی بھی ایسے ہی لمحوں میں گزارنا چاہتا تھا۔

جس میں وہ چاروں ساتھ تھے۔

جس میں ان کے ساتھ ارسلان داؤد تھا۔

جس میں سلمہ داؤد کے چہرے پر نور اور رونق ہوا کرتی تھی۔

ان لمحوں میں جب تک زندگی نے انہیں بچپن جینے دیا تھا۔

ان لمحوں میں جب تک ان کی زندگیوں میں وہ آفت نہیں آئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مینیجر کی ٹیبل کے پیچھے چشمہ لگائے آنکھوں پر گرتے ہوئے بڑے بالوں والا زین داؤد بیٹھا ہوا تھا۔وہ کوئٹہ کے مشہور ریسٹورنٹ کیفے چائنہ کوئٹہ کینٹ کی مینجر سیٹ تھی جہاں پر زین داؤد کو کامران سکندر کی سفارش سے مینجر کی ملازمت ملی تھی۔یہ رات کے دس بجے کا وقت

تھا اور رات کے اس وقت ریسٹورنٹ پر لوگوں کی بھیڑ خاص سطح پر پہنچ جایا کرتی تھی۔ زین داؤد کے آف ٹائم ہوتے ہی وہ ریسٹورنٹ سے باہر چلا آیا۔

ریسٹورنٹ کا دروازہ عبور کرتے اس کی نظر وہاں کھڑی سبز آنکھوں والی لڑکی پر پڑی اس کو زین نے کئی بار اپنے محلے میں دیکھا تھا۔ جس کے ساتھ کھڑا لڑکا اس پر بری طرح سے چیخ رہا تھا۔ لڑکی اپنے سینے سے لگائی کتابوں کے گرد ہاتھ باندھے چہرہ جھکائے آنسوں گرا رہی تھی اور تبھی لڑکے نے سبز آنکھوں والی لڑکی کو ہاتھ سے کھینچ کر موٹر سائیکل پر بٹھایا اور ہوا کی رفتار سے اندرونی شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

نہ جانے کیوں اسے اس لڑکی کی آنکھیں یاد رہ گئیں۔ تبھی فون کی رنگ ٹون سن کر زین نے سر جھٹک کر فون کان سے لگا لیا۔ فون پر دیا نے اسے سلمہ بیگم کی کچھ دوائیاں لانے کو کہا۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ محلے کی پاس کے میڈیکل سٹور سے دوائیاں لے رہا تھا۔ جب اس کی عقب سے اسے کسی کے بولنے کا آواز آیا۔ گردن موڑنے پر اس کے سامنے وہی سبز آنکھوں والی لڑکی کھڑی تھی جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اس لڑکے کے ساتھ تھی۔

میڈیکل سٹور والے کے اس سے ساری دوائیاں نکال دینے پر اپنا بیگ ٹٹول کر اس میں سے پرس نکالا۔اس کا بیگ کافی پرانا لگتا تھا جس کی جگہ جگہ سے بہت سی لیدر کے ٹکڑے پھٹے ہوئے تھے۔پیسے پرس سے نکلتے ہوئے اس کے ہاتھ رکے اور اس نے بے بسی سے نظریں اٹھا کر اسٹور والے کو کہا" بھیا ابھی میرے پاس صرف پندرہ سو ہی پڑھے ہیں۔میں آپ کو کل باقی کے تین سو دے جاؤں گی۔میں روز یہیں سے گزر کر گھر جاتی ہوں"

سبز انکھوں والی لڑکی کی یہ بات سن کر میڈیکل سٹور والے نے کہا"جی صحیح ہے کوئی بات نہیں باجی"

اگر اس وقت ذہن داؤد کے پاس پیسے ہوتے تو وہ اس سبز آنکھوں والی لڑکی کی مدد ضرور کرتا مگر شاید اس کے پاس بھی مشکل سے ہی اپنی امی کی دوائیوں کے پیسے ہو سکتے تھے.

۔سبز آنکھوں والی لڑکی کے چلے جانے کے بعد اس نے دیا کی بتائی ہوئی ساری دوائیاں لے کر گھر کو چل دیا۔جب وہ گھر پہنچا تو اپنی گلی میں اسی لڑکی کو اپنے گھر کے قریبی گھر میں جاتے ہوئے دیکھا۔وہ بھی اسی محلے کی تھی ایسا یہ تو پتہ تھا مگر وہ ان کے گھر کے بغل میں رہتی ہے وہ یہ نہیں جانتا تھا۔

سلمہ بیگم کے کامران سکندر کے ساتھ بہت سی بحث مباحثے کے بعد یہ طے ہو پرا تھا کہ وہ اب سلمہ بیگم سے اوپر والی منزل کا کرایہ نہیں لیں گے البتہ بجلی اور گیس کے بل وہ خود ادا کریں گیئں۔اس بات پر رضامند ہو کر وہ تینوں اوپر والے فلور پر شفٹ ہو چکے تھے اوپر والے فلور پر ایک کمرہ اور ایک چھوٹا سا برامدہ تھا اور برامدے کے باہر ایک سوکھے ہوئے پھولوں سے سجائی ہوئی گیلری تھی۔وہ گیلری سوکھے ہوئے پھولوں سے سجائی نہیں گئی تھی بلکہ بہت عرصہ وہاں پر اگائے گئے پھولوں کو پانی نہ دینے کی وجہ سے وہ سب سوکھ کر مرجھا گئے تھے۔اگر پھر سے ان گملوں میں پھول اگائے جاتے تو وہ گیلری بہت خوبصورت لگتی۔

ان دنوں انہیں ارسلان صاحب کی دو تین بار کال موصول ہو چکی تھی۔جو دیاداؤد کو اپنے پاس بلانا چاہ رہے تھے۔ان تین چار سالوں میں جو بھی مسئلے مسائل درپیش آئے تھے وہ ارسلان صاحب کے سلمہ بیگم اور زین داؤد کے ساتھ تھے۔اس بیچ میں انہوں نے کبھی بھی دیاداؤد کو کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ان کو دیاداؤد سے بہت محبت تھی۔ارسلان صاحب کے اس اسرار پر دیاداؤد نے واپس آنے سے منع کر دیا تھا۔دیاداؤد نے ارسلان داؤد کو کہا تھا کہ وہ اگر

اسے واپس بلانا چاہتے ہیں تو ان تینوں کو یہاں سے آ کر لے جائیں۔ مگر اس بات پر وہ بالکل متفق نہ ہوئے.

زین داؤد کے گھر آنے پر برامدے میں چیئر پر بیٹی سلمہ بیگم اسی کے ہی انتظار میں بیٹی تھی اسے دیکھ کر ان کی جان میں جان آئی۔ سلمہ بیگم زین کے کیفے پر کام کرنے پر ہر گز راضی نہ تھی۔ انہوں نے زین کو کہا تھا کہ پیسوں کا بندوبست وہ کر لیں گیں وہ گاؤں سے باغ کے آنے والے پیسوں سے انتظام کر لے گی۔ اور اسے اپنی لاٹیسٹ پر دھیان دینا چاہیے۔

مگر زین داؤد کو پتہ تھا کہ ارسلا داؤد ہر گز باغ کے پیسے انہیں نہیں رکھنے دیں گے۔ کیونکہ زندگی کے ہر دور میں ارسلان داؤد کنجوس ہی واقعہ ہوئے تھے۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ انہیں الگ سے گھر نہیں لے کے دینا چاہتے تھے۔ اور پھر کامران سکندر کی مدد سے زین نے کیفے میں جاب لے لی تھی۔

سلمہ بیگم کو گلے لگاتے ہوئے زین داؤد نے کے چہرے پر کچھ محسوس کیا۔ ان کے چہرے پر ہلکے ہلکے کالے دھبے بنتے جا رہے تھے۔ جو اتنے ہلکے تھے کہ ان کو واضح نوٹس نہیں کیا جا سکتا تھا۔ زین داؤد نے اسے شہر اور موسم بدلنے کی وجہ سے ہونے والی چینجنگ سمجھ کر چھوڑ دیا۔

کھانا کھا کر وہ گیلری میں کھڑا ہو گیا۔ وہ گیلری ان کے گھر کے برامدے کہ ختم ہوتے ہی شروع ہوتی تھی جو بہت ہی خوبصورت مگر سوکھے ہوئے پھولوں کے ساتھ سجائی گئی تھی۔ گیلری میں رکھے ہوئے گملوں میں لگائے گئے سارے پودے پرانے کرائے داروں کے ان پودوں کو کئی دنوں سے پانی نہ دینے کی وجہ سے سوکھ چکے تھے۔ اور وہیں اس گیلری سے دوسرے گھر کی ایک بہت ہی مختصر اور چھوٹی سی بالکونی ملی ہوئی تھی۔ جو بہت خوبصورت پھولوں کے ساتھ سجائی گئی تھی۔ جسے دیکھ کر زین روز اپنی گیلری بھی اُسی طرح تازہ پھولوں کے ساتھ سجانے چاہتا تھا۔ آج بھی جب زین ایسی ہی کسی سوچ میں گم تھا، کہ اپنے خوابوں سے دستبرداری دینا کتنا مشکل کام ہے۔ کسی وقت میں لاٹیسٹ دینا اس کا سب سے بڑا خواب ہوا کرتا تھا۔ مگر آج وہ اپنے اس خواب سے بھی دستبرداری دے چکا تھا۔ اس پر زندگی اتنی ظالم ثابت ہوئی تھی کہ وہ نہ صرف اپنا بلکہ اس کی ماں کا سب سے بڑا خواب پورا نہیں کر سکتا تھا۔

تبھی اسے برابر والوں کی بالکنی سے کچھ آوازیں سنائی دی۔ رات کے اس وقت، بالکنی کی دیوار کے ساتھ کھڑا ذین داؤد، خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ دیوار کے دوسری طرف کی آوازیں اس کی سماعتوں تک پہنچ رہی تھیں۔

"تم نے آج وارث سے کیا بکواس کر آئی ہو....ہاں بولو؟؟" کسی عورت کی گرجدار آواز دوسری طرف کی بالکنی کے پار سے آ رہی تھی۔

کچھ دیر خاموشی رہنے کے بعد جب دوسری طرف سے جواب نہ ملنے پر وہ عورت پھر سے دہاڑی "میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں بتاؤ مجھے۔"

"امی میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے درد ہو رہا ہے" اب کے دوسری طرف سے کسی دوسری لڑکی کی روہانسی آواز اُبھری۔

وہ آواز اس کے کانوں میں گونجی آواز جانی پہچانی تھی، وہی سبز آنکھوں والی وہ لڑکی۔۔

"آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں جب کہ ہمیشہ کی طرح یقین انہی لوگوں کی باتوں پر آتا ہے."

ایک بار پھر سے دیوار کی دوسری جانب سے اس عورت کی چبھتی ہوئی آواز بلند ہوئی "تمہیں پتہ بھی ہے وہ تم سے منگنی توڑنا چاہتا ہے۔ صرف تمہاری اسی پڑھائی کی ضد کی وجہ سے" لڑکی تمسکرانا ہنسی. "ہاں ہاں کون سی منگنی۔ وہ جو اپ لوگوں نے بنا میری رضامندی پوچھے کر دی تھی۔ جس میں پہنائی گئی انگوٹھی آج تک میں نے نہیں پہنی۔ جس کو آج تک میں نے

منگنی ہی نہیں سمجھا۔یہ میں پہلے وارث کو بھی بتا چکی ہوں اور آخری بار آپ کو بتا رہی ہوں کہ میں وارث سے کسی بھی صورت شادی نہیں کروں گی۔"

"دیکھو دیکھو کیسے کینچی کی طرح تیری زبان چل رہی ہے۔یہ سب تیری اسی کالج کے دوستوں کی پڑھائی ہوئی پٹیاں ہیں۔ارے وارث تو کہہ رہا ہے اس کی پڑھائی بھی بند کروا دی۔اور میں یہاں تمہیں یہی بتانے آئی ہوں کہ اج سے تمہارا اکیڈمی جانا بند۔"عورت کی دبی دبی گرہاٹ بلند ہوئی۔

"نہیں امی آپ ایسا نہیں کر سکتی۔۔۔آپ میری پڑھائی تو نہیں چھڑوا سکتیں۔"لڑکی نے حیرانی سے کہا۔

"سب کہتے ہیں تعلیم تو لڑکیوں کا زیور ہوتی ہے۔"

"زیور تب ہی زینت بنتا ہے جب وہ گھر بسانے میں آسانی پیدا کرے،نہ کہ رکاوٹ۔"

"امی آپ کو یہ حق کسی نے نہیں دیا کہ آپ مجھ سے میرے خواب چھین سکیں۔"لڑکی نے چیخ کر کہا۔

اب کے دیوار کے اس طرف سے زناٹے دار تھپڑ کی آواز گونج اٹھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میرے سامنے چیخو مت۔""خواب تو اب تم چولے چوکے کہ دیکھو کتابوں کے نہیں۔۔۔"

اور اسی کے ساتھ کمرے کے دروازے کھولنے اور بند ہونے کا آواز آیا. وہ عورت شاید جا چکی تھی۔

ایک بار پھر سے ہر طرف رات کا وہی سناٹا چھا گیا۔اچانک ایک دل دہلا دینے والی چیخ گونجی۔ یہ چیخ نہیں تھی، بلکہ کسی ٹوٹتے ہوئے وجود کی آخری فریاد, کسی کے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں تھیں۔

ہائے یہ ہم چھوٹی سی عمر میں تھکے تھکے سے لوگ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیفے چائنہ میں صبح دس سے بارہ بجے کے درمیان زیادہ بھیڑ نہیں ہوا کرتی تھی۔اور آج بھی صبح جب زین کاؤنٹر پر بیٹھا ہوا تھا تو اس کے عقب میں پڑی ہوئی ایک میز کے گرد کرسی پر وہ سبز آنکھوں والی لڑکی بیٹھی ہوئی دِکھی۔وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔اس کی میز پر چند کتابیں کھلی پڑی تھی اور پاس میں ایک کافی کا کپ تھا۔البتہ اس کی نظریں کتاب پر نہیں تھی۔

وہ اس کے سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے بہت بڑے لال کلر کے چائنیز فولڈنگ فین کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ شاید اس فولڈنگ فین کو دیکھ کر بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ اسے دیکھنے والے کو یہ اندازہ ہو سکتا تھا کہ وہ ذہنی طور پر وہاں موجود نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد سر جھٹک کر اس نے اپنا دھیان واپس سے کتابوں میں کر لیا۔ اس کو یہ سب کاروائی کرتے ہوئے ،نہ جانے کیوں زین داؤد دیکھے جا رہا تھا۔

تقریباً بارہ بجنے والے تھے اور لوگوں کی امد و رفت وہاں بیٹھنے لگی تو وہ اپنے کتاب سمیٹتی وہاں سے چلی گئی۔

شاید وہ اسی طرح ہمیشہ یہاں ایسے ہی آ کر کوفی پیا کرتی تھی البتہ کوفی وہ اپنی لاتی تھی کیونکہ وہاں کوفی دستیاب نہیں تھی، لوگوں کی بھیڑ بڑھتے ہی وہ وہاں سے چلی جایا کرتی تھی۔ اور زین داؤد نے ہی اسے اج نوٹس کیا تھا۔ اگلے بہت دن وہ سبز انکھوں والی لڑکی وہاں آتی رہی۔ بہت بار اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ کسی چیز پر پریشان ہے اور بعض دفعہ فون پر کسی سے بات کرتے کرتے رو دیا کرتی تھی۔ یہ سب چیزیں ذہن داؤد پچھلے کئی دنوں سے دیکھتا آ رہا تھا۔

یوں ہی ایک دن سبز آنکھوں والی لڑکی کتابوں کے مطالعے میں غرک تھی۔ تبھی اس کی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور اس نے اپنا سر اٹھایا۔اس کی فون کی آواز پر زین نے بھی اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا اور تب ہی وہ فون کان سے لگائے ہڑ بڑا کر چیئر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور جلدی سے اپنی کتاب اٹھا کر جانے کو مڑی ہی تھی کہ اسے زوردار ٹیبل کی ٹھوکر لگی اور اس کے کتاب نیچے گر گئے۔ جلدی سے کتابوں کو سمیٹ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔یوں ہی تھوڑی دیر بعد ریسٹورنٹ کے کسی ویٹر نے زین داؤد کو ایک کتاب دی "سر یہ کتاب کسی کسٹمر کی وہ سامنے والی ٹیبل پر رہ گئی تھی۔ابھی وہ تھوڑی دیر میں آئے گا تو آپ انہیں دے دیجئے گا۔"

وہ لاٹیسٹ کے تیاری کی کتاب تھی۔اور تبھی زین داؤد کو یاد آیا کہ یہ کتاب اس سبز انکھوں والی لڑکی کی ہے۔ کتاب کا پہلا ورق پلٹنے پر اسے وہاں اس لڑکی کا نام لکھا نظر آیا۔

صبحہ شیخ۔

زین نے زیر لب اس نام کو دہرایا"صبحہ۔۔۔۔۔۔صبحہ شیخ"

تبھی کاؤنٹر پر کسٹمرز کے انے کی وجہ سے زین داؤد نے اس کتاب کو بند کر کے سائیڈ پہ رکھنے لگا تبھی اس کتاب سے چند کاغذ نیچے جا گرے۔ کسٹمرز کو فارغ کر کے زین داؤ نے ان کاغذوں

کو دیکھا تو وہ پاس کی کسی لاٹیسٹ پر پیریشن کی کسی اکیڈمی کا فارم تھا۔ جسے دیکھ کر زین داؤد کے دل میں کچھ ڈوب کر ابھرا تھا۔۔

یہ ٹوٹے ہوئے خوابوں کی کرچیاں بھی زندگی کے ہر مقام پر پیروں کے کانٹے بن کر چبتی ہیں۔

وہ یوں ہی کئی دیر اس کاغذ کے ٹکڑے کو تکتا رہا۔ اور پھر اس اکیڈمک سینٹر کی ٹائمنگ دیکھ کر اس نے کچھ سوچا۔ جو صبح 12 بجے سے شام تین بجے تک کی تھی۔ کہ وہ اگر اپنی زندگی میں ایک بار اس لاٹیسٹ کو دینے کی کوشش کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جیسے کہ اج زین کی صبح کی شفٹ تھی تو وہ گھر دوپہر میں ہی واپس آ گیا تھا۔ اور ابھی زین، دیا اور سلمہ بیگم برامدے میں بیٹھ کر اپنے اچھے اور عام دنوں کی باتیں کر رہے تھے۔ وہ اسے اکثر کیا کرتے تھے جب ان کو کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہوا کرتا تھا۔ اج سلمہ بیگم کی سالگرہ تھی اور اج یہ چوتھی بار تھا کہ سلمہ بیگم کی سالگرہ کے دن ان کے ساتھ ارسلان داؤد نہیں

تھے۔ماضی کی بہت سی خوبصورت یادوں کو یاد کرتے ہوئے سلمہ بیگم کی انکھوں میں کچھ تیرنے لگا تھا۔کوئی انسو تھا جو ان کی انکھوں کے کناروں کو بھگو گیا تھا۔

کراچی کے سی ویو پر زندگی کی جھلکتی لہروں میں بہت سی اوازیں گونج رہی تھیں۔ہاتھوں میں بے بی کارٹ پر دو سالہ دیا داؤد کو لیے سلمہ بیگم اسلان داؤد کے ساتھ چل رہیں تھیں۔ ارسلان داؤد نے زین داؤد کو اپنے کندھے پر اٹھائے رکھا تھا۔اور یہ سلمہ بیگم کی سالگرہ کا دن تھا۔جس کی وجہ سے ارسلان داؤد انہیں سی ویو اور ریسٹورنٹ لیے آئے تھے۔

ارسلان داؤد کے عقب سے چلتی ہوئی سلمہ بیگم کے چہرے پر ہوا کے باعث بال گر رہے تھے جن کو وہ گاہے بگاہے اپنے کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اگے کو چلتی جا رہی تھیں۔سلمہ بیگم کی ہنسی ہر دور میں دل فریب ہی رہی تھی۔بے بی کارٹ میں سوتی ہوئی دیا داؤد کی نیند ٹوٹی تو وہ زور زور سے رونے لگی۔جس کو نیچے بیٹھ کر سلمہ بیگم چپ کرانے کی صحیح کرنے میں لگ گئیں۔پیچھے سے ارسلان داؤد پاس کھڑے لڑکے سے سفید اور لال گلابوں سے بنا ہوا

گجرا لیے پیچھے کو کھڑے ہو گئے۔ دیا داؤد کو بے بی کارڈ سے باہر نکال کر جیسے ہی سلمہ داؤد پلٹی تو ارسلان داؤد کے ہاتھوں میں وہ سفید گجرے دیکھ کر بے اختیار مسکرا دی۔

اچانک سب آوازیں ختم ہو گئیں، لوگ اوجھل ہو گئے اور وہاں صرف وہ چاروں ہی کھڑے تھے۔ سلمہ بیگم کی دنیا صرف یہ تینوں ہی تو تھے اور اُن تینوں کی سملہ۔ ارسلان داؤد نے آگے بڑھ کر وہ گجرے سلمہ بیگم کے ہاتھوں میں پہنائے۔ ایک دم سے سمندر کی لہریں ہوا میں ساکن ہو گئیں، ہوا ساکن ہو گئی، اور ان کے ان لمحوں کو امر کر گئیں۔

اور پھر ایک دم سے ہی منظر بدلا اور ہوا میں وہ ساکن سمندر کی لہریں اب سمندر میں نہیں بلکہ سلمہ بیگم کی انکھوں میں اتر آئیں تھیں۔ سکندر ہاؤس میں بیٹی سلمہ بیگم کی آنکھوں سے آنسوں بہہ نکلے تھے۔ ان کی زندگی میں سب کچھ بدل چکا تھا پھر بھی انہوں نے کبھی بھی امید نہیں ہاری تھی۔ انہیں نہ جانے کیوں پھر بھی ایسا لگتا تھا کہ ایک بار پھر سے سب پہلے جیسا ہو جائے گا۔ اور شاید ایک یہی امید تھی کہ وہ ابھی تک زندہ رکھے ہوئے تھی۔

سلمہ بیگم کو یوں روتا دیکھنا وہاں بیٹھے دیا اور زین کے لیے ہر گز نیا نہ تھا وہ دن میں بہت بار بیٹھے بیٹھے یوں بہت سی باتوں پر خاموش انسو بہایا کرتی تھی۔ البتہ ان بہت سی سالوں میں کبھی بھی

سلمہ بیگم کھل کے نہیں روئی تھی نہ ہی کبھی اپنے بچوں سے ان مسائل پر کبھی کوئی بات کی تھی۔انہوں نے بہت سی باتوں کو اپنے سینے میں دبا کر رکھا تھا انہوں نے بہت سی باتوں کو پیے رکھا تھا۔دنیا کی کسی بھی اولاد کے لیے سب سے بری چیز ان کے سامنے ان کی ماں کے آنسوں دیکھنا ہوتے ہیں۔

دیاداؤد نے سلمہ بیگم کو گلے سے لگالیا۔اور تب ہی سلمہ بیگم کی سیاہ کلر کی چھوٹا سا کی پیڈ والا فون تھر تھرانے لگا۔

فون پر سمیع داؤد کا نام جگمگا رہا تھا۔

سلمہ بیگم نے جھٹ سے کال اٹھالی۔اور تبھی اسپیکر میں سیم داؤد کی اواز گونجنے لگی."کیسی ہیں بھابھی.....سالگرہ مبارک ہو بھابھی"

سمیع کہ انہیں ہر سال کی طرح اس سال بھی سالگرہ کی مبارکباد دینے پر وہ ہلکا سا مسکرا دیں۔"میں ٹھیک بیٹا تم بتاؤ۔۔۔۔تھینک یو بیٹا۔اور بتاؤ کہاں ہو آج کل پاکستان واپس آئے"

"میں بھی ٹھیک بھابی۔۔۔۔۔ نہیں ابھی تک تو نہیں۔اگلے ماہ آنے کا پروگرام ہے۔"اسپیکر سے سمیع کی اواز گونجنے لگی۔

"اچھا بیٹا اور بتاؤ کیسی چل رہی ہے تمہاری وہاں ڈیوٹی. ابھی تک اسی ہاسپیٹل میں ہو یا شفٹنگ ہو گئی تمہاری"

ایک بار پھر سے سپیکر سے آواز گونجی "ہاں بھابھی اسی شفٹنگ کی وجہ سے ہی اس ماہ واپس پاکستان نہیں اس سکا تھا. ہاسپٹل میں ڈاکٹرز کی قلت کے باعث مجھے لیو بھی نہیں مل پا رہی تھی. اور اپ بتائیں بھابھی بھائی صاحب کہاں ہیں۔اب ان کا رویہ صحیح ہوا یا اب بھی وہی پھر سے دہرا رہے ہیں۔"

سمی کے سوال پر سلام بیگم بہت دیر خاموش ہو گئی۔کہ فون کے اس جانب سے سمی کی آواز ابھری "ہیلو۔۔۔۔۔ہیلو بھابھی آواز آ رہی ہے"

"جی جی بیٹا۔۔۔۔۔میں آج کل کامران بھائی کے یہاں ہوں۔۔۔۔۔"یہ بول کر سلمہ بیگم ایک بار پھر خاموش ہو گئیں۔

"وٹ۔کامران ماموں کے گھر۔مگر وہاں کیوں زین اور دیا کہاں ہیں۔"

Clubb of Quality Content

"وہ بھی میرے ساتھ پچھلے ماہ ہی یہیں آئے تھے۔" سمیع کی بات کے جواب میں سلمہ بیگم نے بہت ہی مختصر سا جواب دیا۔

"مگر کیوں بھابھی اپ پچھلے ماہ سے یہاں کیوں آئی ہیں۔ خیریت تو ہے نہ بھائی جان نے تو کچھ نہیں کر دیا؟۔"

سمی کے سوال پر سلمہ بیگم جب ہو گئی۔اور دوسری جانب سے سمیع نے بھی اس بار کچھ نہیں کہا تھا۔ سمیع شاید سمجھ چکا تھا کہ کیا ماجرا تھا۔زین نے آگے بڑھ کر سلمہ بیگم کے ہاتھوں سے فون لے لیا اور خود سمیع سے بات کرنے لگا۔اور پھر پورے ماہ میں ہونے والا پورا قصہ سنا ڈالا ۔"اونو زین۔ تم نے یہ سب برداشت کیسے کیا ایم سو سوری۔اگر میں وہاں ہوتا تو تم لوگوں کو یہ سب فیس کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔زین بیٹا مجھے معاف کر دو۔میں کوشش کر کے ابھی ایک دو ہفتے میں وہاں آ جاؤں گا تب تک اپنا اور امی اور بہن کا خیال کرنا۔"

اور پھر الوداعی کلامات کے ساتھ کال کٹ ہو گئی۔ سمیع داؤد، زین داؤد کے چھوٹے چچا تھے جن کو بچپن سے ہی سلمہ بیگم نے پالا تھا۔زین داؤد کی سمیع داؤد سے بہت بنا کرتی تھی۔ سمی داؤد زین داؤد کے لیے چچا کم دوست زیادہ رہے تھے۔تو ان سے وہ کچھ بھی نہ چھپایا کرتا تھا۔

زین کے ہمیشہ خاموش اور انٹروڈ بیہیویئر کی وجہ سے اس کے کبھی بھی اتنے دوست نہیں بنے تھے۔زین داؤد کے پاس دوستوں کے نام پر صرف سمیع داؤد ہی ایک شخص تھے۔جو پچھلے دو سالوں سے یو ایس اے میں نیورو سرجن کے طور پر ایک ہسپتال میں کام کرتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اگلے بہت دن صبحہ شیخ کیفے چائینا نہیں آئی تھی۔اور یہ بات ذہن نے بخوبی نوٹ کی تھی،نہ جانے کیوں۔۔۔۔اس بیچ میں ہوا یوں تھا کہ اب زین داؤد نے سلمہ بیگم کے اصرار پر اپنی ڈیوٹی شفٹ کی ٹائمنگ چینج کروالی لاٹیسٹ دینے کے لیے،ذین نے لاٹیسٹ پریپریشن اکیڈمی جوائن کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔اور پیسوں کے لیے سلمہ بیگم نے سمیع داؤد سے باغ سے آنے والے پیسے انہیں دینے کی بات کی تھی۔جس سے وہ زین اور دیا کی پڑھائی کے اخراجات اٹھا سکیں۔اس بات پر سمیع داؤد نے اس ماہ پانی والے باغ کے پیسے سلمہ بیگم کو ہی بھجوائے تھے اور خود چند ہفتوں بعد آنے کا کہہ دیا تھا۔

چند دنوں بعد زین داؤد کے اکیڈمی میں ایڈمیشن لینے کے بعد زین داؤد کو معلوم ہوا کہ اس سال کا ہونے والا اگلا لاٹ ٹیسٹ اگلے تین ماہ میں ہونے والا ہے۔اکیڈمی کی ٹائمنگ بارا سے تین بجے تک ہونے کے باعث اس نے اپنی ڈیوٹی شفٹ نائٹ میں کروادی تھی۔

آج زین داؤد کا اس اکیڈمی میں پہلا دن تھا۔ان کی کلاس میں تقریبا30 اسٹوڈنٹ موجود تھے بائیں طرف لڑکے اور دائیں طرف لڑکیوں کی قطاریں بنی ہوئی تھیں۔بہت سی لڑکیوں میں اُسے وہ سبز آنکھوں والی لڑکی بھی نظر آئی تھی،ان آنکھوں کو وہ پہچان سکتا تھا۔اور جیسا اس نے سوچا تھا وہ یقینا اس اکیڈمی کی اسٹوڈنٹ تھی۔مگر وہ اسی کے بیچ میں سے ایک ہو گی اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔تین گھنٹوں کی لگاتار کلاسز کے بعد جب سب کلاس سے باہر نکل ایے۔باہر انے پر اس نے اسی لڑکے کو اکیڈمی کے دروازے پر کھڑا پایا جس کو چند دن پہلے اس نے سبز والی لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔وہ یقینا اسے پک کرنے ہی آیا تھا۔

تبھی اپنے پیچھے سے کسی کے پکانے پر زین پیچھے موڑ کر دیکھا۔ہلکے قد، سفید رنگت، بھورے بال، کلین شیو اور ہلکی گہری کالی آنکھوں والا خالص پٹھان وہ کاشف تھا۔

وہ اس سے کوئٹہ میں آنے کے بعد اس ریسٹورنٹ میں ہی ملا تھا۔ کاشف زین کے محلے کا ہی تھا تو اس وجہ سے ان کی اب اچھی خاصی جان پہچان بن چکی تھی. وہ نہ صرف بے حد امیر ہے بلکہ اس کا رہن سہن بھی خاصا شاندار تھا، لیکن اس کی شخصیت کی سب سے منفرد بات یہ تھی کہ وہ اپنی دولت کو اپنے رویے کا حصہ نہیں بناتا۔ کاشف کے نزدیک پیسہ ایک سہولت ہے، نہ کہ خود کو دوسروں سے برتر ثابت کرنے کا ذریعہ۔ اور شاید یہی وجہ تھی کہ زین اور کاشف زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اتنے نمایاں اختلافات ہونے کے باوجود، وہ اتنے کم عرصے میں اتنے گہرے دوست بن گئے تھے۔ زین داؤد نے اس اکیڈمی میں کاشف کے کہنے پر ہی ایڈمیشن لیا تھا۔

"اسلام علیکم" کہہ کر کاشف نے زین کی طرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

وا علیکم اسلام""

"گھر جا رہے ہو" کاشف نے اب تک اُس کا ہاتھ تھاما ہوا تھا۔

ہاں گھر ہی جاؤں گا ابھی تو"

تو آؤ میں تمہیں ڈراپ کر دیتا ہوں"

"نہیں یار کوئی بات نہیں میں خود چلا جاؤں گا" زین نے کاشف کے اسرار کرنے کے جواب پر کہا۔

کاشف نے مزید اصرار کرتے ہوے اور بھی کچھ کہہ رہا تھا

مگر اس وقت زین داؤد کا دھیان کاشف کی باتوں پر نہیں تھا۔اس کی سماعتوں میں دو لوگوں کے باتیوں کی آواز ٹکرا رہی تھی۔

"----------تمہیں سمجھ کیوں نہیں اتا تو روز روز مجھے اکیڈمی سے پک کرنے کیوں ا جاتے ہو۔میں ابو کو بتادوں گی." وہ صبحہ کی اواز تھی۔وہ بے بسی بھری آواز میں کسی سے مخاطب تھی۔

Clubb of Quality Content

اور تبھی اس لڑکے کی اواز بھی زین کے کانوں تک پہنچی "خالو کو کیا بتاؤ گی تم۔اخر کار میں تمہارا ہونے والا شوہر ہوں۔"

"ہاں شوہر----------میں تم سے مر کر بھی شادی نہیں کروں گی." اس لڑکے کی بات کے جواب میں صبحہ نے تنزیہ سا جواب دیا۔

"شادی تو تمہیں کرنی ہی پڑے گی۔۔۔۔۔۔اب تو میرے ساتھ چل رہی ہو یا خالا کو کال کر کے میں انہیں بتادوں کہ تم نے اج پھر سے مجھ سے کتنی بد تمیزی سے بات کی ہے"اس لڑکے کے اسے دھمکانے کے بعد ان کی اواز زین داؤد کے سماعتوں سے دور ہوتی گئیں۔اور شاید وہ وہاں سے جا چکے تھے۔

کاشف کے اس کے اگے ہاتھ ہلانے پر، زین داؤد نے اُسے ہڑ بڑا کر دیکھا. "کہاں گم ہو گئے میاں۔ چلو چلیں مجھے دیر ہو رہی ہے"

"ہاں ٹھیک ہے چلتے ہیں۔"بول کر زین داؤد بھی سر جھٹک کر کاشف کے ساتھ چل دیا۔

چند دنوں بعد اکیڈمی میں لی گئی ویکلی ٹیسٹ کا آج رزلٹ آنا تھا۔سارے سٹوڈنٹس کلاس میں موجود تھے۔ سر کے آتے ہی کلاس میں لڑکے لڑکیوں کی فوٹو بہترین میں سا وازیں خاموش ہو گئیں۔اور تھوڑی ہی دیر بعد سر اس سیشن کی پہلی ویکلی ٹیسٹ کا رزلٹ بتاتے ہوئے چند بچوں کے نام لے کر انہیں اسٹیج پر آنے کی دعوت دی۔ان میں سے زین داؤد اور صبحہ شیخ بھی تھے۔اج پہلی بار کلاس میں اپنا رزلٹ لینے وقت صبحہ شیخ نے زین داؤد کی طرف دیکھا تھا۔

چند گھنٹوں بعد کلاس کے ختم ہونے کے بعد گرلز سائیڈ سے بیگ سمیٹتی ہوئی صبحہ شیخ کو دیکھ کر زین داؤد جلدی سے اس کی طرف بڑھا تھا نہ جانے کیوں۔۔۔۔۔۔

"السلام علیکم مس۔۔۔۔۔"زین داؤد نے گلا کھنکھارتے ہوئے کہا۔

کسی کے پیچھے سے بولنے کی آواز پر صبحہ شیخ پلٹی۔اور اپنے سامنے کھڑے لڑکے کو سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

اسے اپنی طرف دیکھتے ہوئے زین داؤد نے جلدی سے ہڑ بڑاتے ہوئے کہا."آپ کچھ دن پہلے کفے چاینہ ریسٹورنٹ ایا کرتی تھی۔اور ایک دن اپ اپنی ایک کتاب وہی ٹیبل پر بھول آئیں تھیں."

زین کی یہ بات سن کر اس نے نہ سمجھی سے دیکھا۔۔تو زین نے پھر سے کہا."میں وہاں کا مینیجر ہوں۔میں نے چند دن اپ کو وہاں روزاتے ہوئے نوٹس کیا تھا۔اور اس دن جب اپ اپنی کتاب بھول ائی تھی تو ہم نے سی سی ٹی وی کیمرہ میں چیک کروایا تھا۔اور یہ بات ہمارے ریسٹورنٹ کہ رولز کے خلاف ہے کہ ہم کسٹمرز کے چھوڑے ہوئے سامان کو گھمادیں۔تو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اپ کے بہت ان ریسٹورنٹ نہ انے پر اپ کی وہ کتاب سنبھال کر رکھی تھی اور کچھ دنوں سے آپ کو اسی اکیڈمی میں دیکھا تو سوچا آپ کو وہ کتاب نہیں دے دوں۔"

اور کتاب صبحہ کے حوالے کرتے ہوئے زین داؤد نے پوچھا "یہی ہے نہ آپ کی کتاب."

کتاب کو دیکھ کر صبحہ شیخ لب او کی شکل میں سکیڑے بولی۔"اچھا ہاں۔۔۔یہ میری اکیڈمی کی امپورٹنٹ کتاب ہے جس کو میں پچھلے دو ہفتوں سے ڈھونڈ رہی تھی۔"

کتاب کو زین داؤد کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے صبحہ شیخ نے بڑی خوش اخلاقی سے اسے شکریہ ادا کیا اور اکیڈمی سے باہر نکل آئی۔

اکیڈمی سے باہر آکر صبحہ پیدل ہی گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔کیونکہ آج کاشف اکیڈمی گیئر حاضر تھا تو زین داؤد کو بھی گھر پیڈل ہی چل کر جانا پڑا۔

اکیڈمی سے باہر جاتی ہوئی صبحہ شیخ کو زین داؤد پکارا "آپ کوئٹہ کینٹ میں اس پرانی لائبریری کے پاس رہتی ہیں نہ.....چند دن پہلے میں نے اپ کو اکیڈمی سے واپس اتے ہوئے اپنے محلے میں دیکھا تھا۔اصل میں ہم وہاں پر چند دن پہلے ہی شفٹ ہوئے ہیں۔"

پیچھے سے ایک بار پھر سے زین داؤد کی آواز سن کر صبحہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔اور دھوپ کے بعد انکھوں پر ہاتھ کا چھجا بنائے ویسے جواب دیتے ہوئے بولی۔"ہاں میں وہیں رہتی ہوں۔ مگر ہم نے اپ کو وہاں دیکھا تو نہیں۔"

"ہم چند دن پہلے ہی اپنے ماموں کامران سکندر کے گھر شفٹ ہوئے ہیں"زین داؤد نے اس کے عقب میں آتے ہوئے کہا۔

"اچھا چچا کامران والوں کے یہاں۔۔۔۔۔۔۔اوآپ سلمہ خالہ کے بیٹے ہیں؟"صبحہ نے یکدم یاد آنے پر کہا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ مگر۔۔ مگر آپ امی کو کیسے جانتی ہیں۔"زین نے اپ کے حیرانی سے صبحہ کی طرف دیکھا..

صبح نے مسکراتے ہوئے بتایا"اصل میں سلمہ خالہ میری امی کی بہت پرانی سہیلی رہ چکی ہیں۔ سلمہ خالہ بہت عرصے سے کوئٹہ نہیں ائی تھی۔او۔۔جب وہ ائیں تھیں تو رضیہ باجی نے چند دن پہلے ہمیں بتایا تھا کہ چچا کامران والوں کے اوپر والے پورشن میں سلمہ خالہ شفٹ ہو رہی ہیں اور وہ اپنے بچوں کے ساتھ سکھر سے واپس آچکی ہیں"

اپ کے ذین کے چہرے پر واضح رنگ بدلا تھا،اس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ چکی تھی۔

"اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔اچھاتواپ امی کو جانتی ہیں"

"ہاں میں جانتی ہوں۔امی تو چند دن پہلے اپ کے یہاں چکر لگانے کا بول رہی تھی مگران کو ٹائم ہی نہیں ملا۔امی چند دنوں میں ضرورائیں گی اپ کے یہاں۔"یوں ہی باتیں کرتے کرتے وہ سڑک سے دور جاتے رہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہمیشہ کی طرح صبح کے دس بجے زین کیفے چائنہ

ریسٹورنٹ میں موجود تھا۔ریسٹورنٹ میں اکادکا لوگ ہی موجود تھے۔زین اپنے سر پر گرتے بالوں کو ماتھے پر جماتے ہوئے موبائل فون کی اسکرین میں مشغول تھا۔اور آج کئی دنوں بعد صبحہ کیفے آئی تھی۔زین کو کاؤنٹر پر دیکھ کر وہ ہلکا سا مسکرائی اور ہمیشہ کی طرح وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

بارا بجتے ہی زین جہاں کیفے سے باہر نکلنے لگا وہاں لوگوں کی بھیڑ لگنے کی وجہ سے صبحہ بھی کیفے سے باہر نکل آئی۔اور پور سکون آواز میں زین سے مخاطب ہو کر بولی. "آپ اکیڈمی جا رہی ہے؟..رائیٹ"

"جی ہاں اکیڈمی ہی جا رہا تھا۔۔۔اور میں نے کل امی سے پوچھا تھا وہ واقعی آپ کی امی کو جانتی ہیں۔نہ صرف جانتی ہیں بلکہ وہ بچپن میں بہترین دوست رہ چکی ہیں۔"زین نے اس کے مخاطب کرنے پر کہا۔

"ہاں میں نے تو کہا تھا۔۔۔"وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

صبحہ نے کچھ یاد آنے پر پھر سوال کیا"آپ نے چند ہفتے قبل ہونے والا لا ایڈمیشن ٹیسٹ دیا؟".

زین نے اسی طرح چلتے ہوئے روڈ پر نظریں ٹکائے ہوئے کہا۔"ہاں کچھ گھر کی مصروفیات کی وجہ سے ٹیسٹ نہیں دے پایا تھا۔"

"اکیڈمی کی چھوٹی پر میں کبھی کبھار گھر کے پاس والی لائبریری جایا کرتی ہوں۔ وہاں کے لائبریرین پہلے وقیل رہے ہیں۔ اگر آپ کو کبھی کچھ سمجھ نہیں آئے تو میرے ساتھ چل سکتے ہیں" صبحہ زین کو تفصیلی بات بتاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔۔۔۔" زین نے مختصر سا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں ان کے پاس اور بھی بہت بچے پڑھا کرتے ہیں۔ وہ بہت اچھے استاد ثابت ہوئے ہیں۔ آپ کبھی چلیے گا میرے ساتھ۔"

اکیڈمی پہنچ جانے کے بعد زین اپنی کلاسز لینے میں مصروف ہو گیا۔ اور چھٹی ہونے پر وہ کاشف کے ساتھ گھر واپس آ گیا۔

راستے میں کاشف نے زین کو اپنے ساتھ کسی دعوت پر چلنے کا بولتے ہوئے کہاں. "آج شام ہم کچھ دوستوں نے گیدرنگ رکھی ہے۔ تم یہاں پہ کسی کو جانتے بھی نہیں ہو تو تم شام میرے ساتھ چلنا۔ تمہیں بہت مزہ آئے گا، لاندی کی دعوت ہے۔"

زین نے جلدی سے ہڑبڑا کر کہا "نہیں یار۔۔۔۔۔۔۔۔ میں نہیں چل سکتا مجھے گھر میں تھوڑا کام ہے۔"

"اوکمون یار۔ تمہیں پتہ ہے میرا فرینڈ سرکل بہت اچھا ہے۔" کاشف نے اسے مزید اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں ویسی بات نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تمہارے دوست اچھے گھرانے سے تعلق رکھتے ہوں گے۔ مگر میں واقعی تمہاری ساتھ شام کو نہیں چل سکتا ہے مجھے کچھ کام ہیں۔" زین نے معذرت خواہانہ انداز میں چلنے سے منع کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا صحیح ہے یار۔۔۔۔۔۔ جیسی تمہاری مرضی۔" کاشف نے پھر کسی اور بات کے یاد آ جانے سے بات کو بدلتے ہوئے کہا۔ "اچھا میں نے تمہیں کل صبحہ شیخ کے ساتھ گھر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ تم اسے جانتے ہو کیا."

کاشف کے اس سوال پر زین چونکا اور بولا۔ "نہیں میں پہلے اسے نہیں جانتا تھا۔ چند دن پہلے اس کی کتاب ہمارے کیفے میں رہ گی تھی تو وہی واپس دی تو پتہ چلا کہ وہ میری امی کو جانتی ہیں۔ اسی طرح تھوڑی بات چیت ہونے لگی."

کاشف نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا "ہاں وہ میرے ایک کزن وارث کی منگیتر ہے۔"

"اووہ لڑکا تمہارا کزن ہے۔جو اسے کبھی کبھار اکیڈمی سے پک کرنے آجایا کرتا ہے۔"زین نے اپنا تجسس ختم کرنے کے لیے پوچھا۔

"ہاں کہنے کو تو وہ میرا کزن ہی ہے۔ مگر وہ بہت بے کار آدمی ہیں، میں تو سوچتا تھا کہ اسے کون اپنی بیٹی دے گا۔ پھر نہ جانے کہاں سے اس کے ایک چچا، صبحہ کے ابا نے اسے اپنی بیٹی کا رشتہ دے دیا۔"کاشف نے خراب منہ بناتے ہوئے کہا.

"ہاں میں نے چند دن پہلے اسے ریسٹورنٹ میں دیکھا تھا۔ وہ ایک لڑکی کے ساتھ بہت بد تمیزی سے پیش آرہا تھا۔ وہ لڑکی صبح ہی تھی اور تب سے وہ دونوں جہاں مجھے دیکھتے ہیں میں انہیں پہچان لیتا ہوں۔"زین نے مزید بولتے ہوئے کہا"وہ بندہ واقعی دیکھنے سے ہی گوار لگتا ہے۔ میں نے جب بھی اسے دیکھا ہے اس کی شرٹ کے بٹن کھلے ہی ہوتے ہیں۔ منہ میں عجیب سا کچھ چباتا رہتا ہے."زین نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں۔۔۔۔یہی نہیں وہ تو کوئی کام وغیرہ بھی نہیں کرتا۔ نہ اس کی اسٹڈیز مکمل ہیں۔ بس اس کے ابو کو ہی پتہ نہیں کیوں ایسا لگتا ہے کہ وہ شادی کرنے کے بعد سُدھر جائے گا۔"کاشف نے وارث کے بارے میں مزید تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سیڑھیوں سے کسی کے آنے کی اہٹ سن کر سلمہ بیگم نے اپنی ویل چیئر کا رخ سیڑھیوں کی جانب موڑا سیڑھیوں سے رضیہ اتی دکھائی دی۔"السلام علیکم بی بی جی کیسی ہیں۔"رضیہ نے آتے ہی مسکراتے ہوئے کہا۔

سلمہ بیگم نے بھی اسی ہی مسکراتے انداز ہوئی جواب دیا"وعلیکم السلام رضیہ میں ٹھیک تم بتاؤ۔دو ہفتے ہو گئے ہیں ہمیں اوپر شفٹ ہوئے تم نے شفٹنگ کے بعد چکر ہی نہیں لگایا ۔۔۔۔۔"

رضیہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا"وہ بڑی بی بی صاحبہ ہیں نا انہوں نے مجھے کہیں آنے جانے سے منع کر رکھا ہے۔"

"اچھا کس نے صفیہ نے"سلمہ بیگم نے واضح کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں صفیہ بی بی نے۔۔۔۔۔اب دراصل وہ کیا ہے نا اپ سے کیا چھپانا بڑی بی بی صاحبہ نے کہا تھا کہ اوپر سلمہ والوں کے پورشن میں ہر گز مت جانا ورنہ میں تمہیں نوکری سے نکال دوں گی۔"رضیہ نے مزید نظریں جھکاتے شرمندگی کے ساتھ کہا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

سلمہ بیگم نے بنا چونکے ہی کہا "اچھا تو پھر اج کیسے انا ہوا۔۔۔۔۔"

"بی بی جی وہ کیا ہے نہ بڑی بی بی صاحبہ بازار تک گئی ہیں تبھی مجھے وقت ملا تو میں جلدی سے اوپر آ گئی۔" رضیہ نے یک دم تاثرات بدلتے ہوئے مسکراتی انکھوں کے ساتھ کہا۔

"اور بی بی جی مجھے تو اپ سے بہت ساری باتیں کرنی تھیں۔ چھ برس گزر گئے اپ کو دیکھا تک نہیں۔ اپ کی طبیعت کا سنا تھا مگر اپ کو کال تک نہیں کر پائی تھی۔ اپ بھی کیا سوچتی ہوں گی بچپن کی دوستی تھی اور ایک بار بھی رضیہ نے فون پر ہی اپ کی مزاج پوسی نہیں کی....." اور پھر جب ہماری رضیہ بولنا شروع ہوئی تو بولے ہی جا رہی تھی۔

رضیہ کے یہ بہت بری عادت تھی کہ وہ سامنے والے کو بنا سنے ہی اپنی ہی دھن میں بہت کچھ کہہ جاتی تھی۔

گہری آہ بھرتے ہوئے سلمہ بیگم نے کہا "نہیں رضیہ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا تھا۔ مجھے پتہ تھا تم سکھر نہیں آسکتی تھی۔ تمہارے پاس فون بھی نہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور تم مجھے یہ بتاؤ تم مجھے یہ بی بی جی کب سے کہنے لگی"

زبان دانتوں کے نیچے دباتے ہوئے رضیہ نے کہا" وہ کیا ہے نہ کہ صفیہ بی بی نے کے رکھا ہے کہ اسے یا پھر اس کی ائی ہوئی دوستوں کو بی بی جی ہی کہہ کر پکاریں۔اسی لیے اب مجھے عادت ہو گئی ہے"

"اچھا۔تو پھر وہ تم صفیہ اور اس کی دوستوں کو ہی کہا کرو۔میں تمہارے لیے ہمیشہ وہی بچپن والی سلمہ سکندر ہی رہوں گی۔"سلمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے ہتھیلی پر تھوڑی جماتے ہوئے کہا۔

رضیہ نے زخمی تاثرات کے ساتھ کہا۔"سلمہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔تمہیں واقعی لگتا ہے تم ابھی بھی وہی بچپن والی سلمہ ہو۔۔۔۔۔۔۔۔"اب کے رضیہ کا لہجہ کافی دوستانہ اور ٹھہرا ہوا تھا.

رضیہ کی اس بات پر سلمہ بیگم نے رضیہ کو چند لمحے خاموشی سے دیکھتی رہی۔اور پھر جھجری لیتے ہوئے سلمہ بیگم نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا"کیوں کیا بدل گیا ہے اب مجھ میں۔"

"آپ میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔آپ میں بہت کچھ بدل چکا ہے۔اپ کی مسکراہٹ پہلے جیسی نہیں ہے۔پہلے اپ جب مسکراتی تھی تو ہوا بھی ساکن ہو کر اپ کو ہی دیکھا کرتی تھی۔پہلے جب اپ مسکراتی تھیں تو اپ کے ساتھ اپ کی انکھیں بھی مسکراتی تھیں۔میں نے تو اپ کو

کسی دور میں اس حال میں نہیں دیکھا۔نہ بچپن میں،نہ شادی سے پہلے،نہ شادی کے بعد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"رضیہ پھر سے بہت کچھ اپنی دھن میں کہتے ہوئے رکی۔

کئی دیر تک سلمہ بیگم کی کوئی اواز نہیں ائی۔اور پھر سے رضیہ نے کہنا شروع کیا"اس دن جب اپ اتنی عرصے بعد یہاں ائیں تو میں تو اپ کو پہچاننے سے ہی قاصر تھی۔کیا حال کر دیا ہے اپ نے اپنا۔"

اب کے رضیہ کو دیکھتی ہوئی سلمہ بیگم نے اپنی ویل چیئر کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔اور کہنے لگی."ہاں شاید تم صحیح کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہوتے ہیں بہت سے دکھ جو ہم سے ہماری حسی چھین لیتے ہیں."

یہ کہتے ہوئے سلمان بیگم کی آواز بھرا آئی تھی۔رضیہ چند قدم اگے بڑھ کر سلمہ بیگم کی میل چیئر سے بالکل لگ کر کھڑی ہو گئی۔"سلمہ۔۔۔۔۔۔۔تمہیں پتہ ہے تمہاری شادی کے بعد ہم نے پھر کبھی ویسے بات نہیں کی جیسے کیا کرتے تھے۔میں نے بہت یاد کیا ہے سلمہ تمہیں۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"یاد تو تمہیں میں نے بھی کیا تھا بہت رضیہ۔۔ پھر زندگی نے ایسا مصروف کر دیا کہ وقت ہی نہیں ملا" سلمہ بیگم نے اپنے سر کو ویل چائے کی پوسٹ سے ٹکاتے ہوئے کہا۔

"سلمہ تم کہاں رہتی تھی تم چاہے کتنا بھی دور چلی جاؤ۔ ہم دونوں کی دوستی میں کبھی فاصلہ نہیں آئے گا۔ تو دیکھو آج کتنا فاصلہ ہے ہم دونوں کی بیچ۔۔۔۔۔ پچیس برسوں کا فاصلہ"

ویل چیئر پر ٹکے رضیہ کے ہاتھوں پر سلمہ بیگم نے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا. "فاصلہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کہاں ہے فاصلہ، اتنی برسوں بعد دیکھو تو لگتا ہے وہیں کھڑے ہیں ہم۔ وہی تم ہو، وہی میں۔"

اپ میں سے تم کا فاصلہ پتہ نہیں کتنی دیر میں رضیہ اور سلمہ بیگم نے ایک بار پھر سے طے کر لیا تھا۔ اب کے وہاں بیٹھی سلمہ بیگم پینتالیس سالہ سلمہ بیگم نہیں بلکہ صرف سلمہ سکندر تھیں

پچیس سال پہلے،

یہ ایک حویلی نما پرانا سا گھر تھا۔ ہر طرف مونگ کی دال کی خوشبو پھیلی ہوئی تھی، جیسے ابھی ابھی کسی نے تازہ پکی ہوئی دیگچی کا ڈھکن اٹھایا ہو۔ یہ مہک ہوا میں ایسے رچی ہوئی تھی کہ ہر سانس کے ساتھ محسوس ہو رہی تھی. اور اس حوالی کے آنگن میں رکھی ہوئے چارپائی پہ تین لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ ان میں سے ایک اٹھارہ، بیس سالہ سنہری آنکھوں والی سلمہ سکندر مایوں کے پیلے جوڑے میں ملبوس تھیں۔ ان کے ساتھ بیٹھیں رضیہ اور شبانہ شیخ بیٹھ کر لال کلر کی چادر پر سوئی دھاگے سے کڑھائی کر رہی تھی۔ یہ سلمہ سکندر کے مایوں کا دوسرا دن تھا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب دلہنوں کو پورا ہفتہ یہ پانچ دن مایوں میں بٹھایا جاتا تھا۔ اس وقت سلمہ سکندر کا رشتہ ان کے والد وقار سکندر نے ان کے دوست کہ بیٹے ارسلان داؤد سے طے کیا تھا۔ سلمہ، رضیہ اور شبانہ بچپن کی بہت اچھی سہیلیاں تھی۔ رضیہ سلمہ سکندر کے گھر کام کرنے والی ایک عورت کی بیٹی تھی۔ جس کی وفات کے بعد رضیہ نے وقار سکندر کے گھر ہی پناہ پائی تھی۔ رضیہ کی شادی دو برس پہلے ٹوٹ چکی تھی جس کے بعد رضیہ نے پھر کبھی شادی نہیں کی تھی۔

شبانہ نے سلمہ کو چڑھاتے ہوئے کہا "واہ کیا بات ہے سلمہ تمہارے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ تو بہت گھیرا آیا ہے۔"

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"ہاں میں بھی کب سے یہی سوچے جا رہی ہوں۔ارسلان بھائی یقیناہماری سلمہ سے بہت محبت کریں گے۔"رضیہ نے بھی کہکا لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہماری سلمہ تو ہے ہی ایسے۔اخر کون بد قسمت ہماری سلمہ سے محبت نہیں کرے گا" شبانہ نے ایک بار پھر سے سلمہ کو تنگ کرتے ہوئے کہا تھا۔

اپنے مہندی والے ہاتھوں سے اپنے چہرے کو چھپاتے ہوئے سلمہ میں شرماتے ہو کہا"اب تم دونوں چپ بھی کرو گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

رضیہ نے تالی بجاتے ہوئے کہا"لو جی ہماری میڈم صاحبہ کا شرمانہ تو دیکھو"

سلمہ کے چہرے پر شرم کی سرخی پھیل گئی اور وہ تیزی سے کمرے میں بھاگ گئی

پورے گھر میں اگلے روز ہونے والی شادی کی دھوم دھام سے تیاری کی جا رہی تھی۔

(جاری ہے)

انشاءاللہ،دوسری قسط)

اگلے ماہ)

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842